© rasailojaraid.com

فہمِ قرآن

(۴)

دنیا کے مختلف علوم و فنون اور مختلف زبانوں میں مہارت اور بصیرت پیدا کرنے کے لیے خاص خاص شرائط ہوتی ہیں کہ اگر وہ طالب علم میں پائی جائینگی تو اُس کو اُس علم خاص میں مہارت پیدا ہوسکیگی ورنہ نہیں۔ شیخ بوعلی سینا نے اپنی مشہور کتاب "اشارات" کے آخر میں بڑے زور سے اپنے شاگرد کو نصیحت کی ہے کہ "میری یہ کتاب ہر شخص کو نہ پڑھائی جائے، بلکہ اُنہی لوگوں تک اُس کو محدود رکھا جائے جو اہل جدل وسفسطہ نہیں ہیں اور اگر اس کے خلاف کیا گیا تو میں خدا کے ہاں تمہارا دامن پکڑونگا"۔ پس اسی طرح قرآن مجید کے مطالب کو واقعی طور پر سمجھنے کے لیے علوم وفنون کی دستگاہ اور زبان عربی کے لطیف ذوق کے علاوہ چوتھی اہم چیز "اتقاء" ہے۔

اتقاء سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص روحانی اعتبار سے اس بات کی صلاحیت رکھتا ہو کہ کلام الٰہی کو سن کر اُس کا اثر قبول کرسکے۔ یہ ظاہر ہے کہ کوئی دوا کتنی ہی مفرح اور مقوی ہو لیکن اگر جسم تندرست نہیں ہے۔ اور معدہ وجگر کے فاسد ہونے کی وجہ سے قوت ہاضمہ بے کار اور تولید دم صالح کی صلاحیت مفقود ہوگئی ہے، تو وہ دوا اپنا اثر نہیں کرسکتی۔ بلکہ بسا اوقات مضر نتائج کے پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ اسی پر عالم روحانی ونفسانی اور اُس کے امراض وطرقِ علاج کو قیاس کرلینا چاہیے۔

قرآن مجید نے اپنے تئیں "ھدی" "بشریٰ" "تذکرہ" اور "نور" کہا ہے۔ مگر ساتھ ہی ان اوصاف کو مطلق نہیں رکھا۔ بلکہ متعدد مواقع پر فرمایا گیا ہے کہ یہ اُنہی لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو ہدایت کے طلبگار ہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو مومن و مسلم ہوں، اور جو طہارت و پاکیزگی کی زندگی بسر کرتے ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

ذٰلک الکتٰب لا ریب فیہ ۚ	یہ کتاب ہے اس میں شک کی گنجائش نہیں۔ اُن
ھُدًی للمتقین ۙ الذین یؤمنون	پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے جو غائب چیزوں
بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما	پر ایمان لے آتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور ہم نے اُنکو جو رزق
رزقنٰھم ینفقون ۙ والذین یؤمنون	دیا ہے اُس سے خرچ کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو ایمان لاتے
بما اُنزل الیک وما اُنزل من	ہیں اُن چیزوں پر جو آپ پر اور آپ سے پہلے لوگوں پر نازل
قبلک ۚ وبالاٰخرۃ ھم یوقنون ۙ	کی گئیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

دوسرے مقام پر فرمایا گیا:۔

ولقد جئنٰھم بکتٰب فصّلنٰہ	اور کچھ شک نہیں ہم اُن کے پاس ایسی کتاب لائے
علیٰ علمٍ ھُدًی ورحمۃ لقومٍ	ہیں جس کو ہم نے علم کے ساتھ ایماندار لوگوں کے لیے
یؤمنون	ہدایت اور رحمت بنا کر مفصل بیان کیا ہے۔

ایک مقام پر ھدًی وبشریٰ للمسلمین اور دوسری جگہ شفاءٌ ورحمۃ للمومنین اور ایک جگہ اِنّ فی ذٰلک لرحمۃً وّذکریٰ لقومٍ یؤمنون اور ایک مقام پر ھو للذین اٰمنوا ھدًی وشفاء فرمایا گیا ہے۔

اِن صلحاء، اتقیاء اور مومنین قانتین کے برعکس وہ لوگ ہیں جو فسق و فجور میں مبتلا رہ کر اعمالِ بد کرتے ہیں اور دن رات سرکشی میں مصروف رہتے ہیں اُن کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ قرآن سے اُن کے دلوں میں نور علم و ہدایت پیدا نہیں ہوتا، بلکہ اُس سے اُن کی گمراہیاں اور بڑھتی ہی ہیں۔ ارشاد ہے:۔

ولا یزید الظٰلمین الا خسارًا	اور قرآن مجید ظالموں کے لیے نقصان کو ہی بڑھاتا ہے۔
ولیزیدنّ کثیرًا منھم ما انزل	اور اے نبی جو آپ پر اُترا ہے وہ ان لوگوں میں سے بہتوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِلیک من ربّک طغیاناً و کفراً — کی سرکشی اور کفر کو زیادہ کرنے والا ہے۔

ایک آیت میں ایمانداروں اور بے ایمانوں میں فہم قرآن اور اُس کے اثرات کے اعتبار سے جو فرق ہے بالکل صراحت کے ساتھ یکجائی طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

قُل ھُوَ للذین اٰمنوا ھدًی و — اے نبی آپ کہہ دیجیے کہ قرآن مجید ایمان والوں کے

شفاءٌ والذین لا یومنون فی — لیے ہدایت اور شفا ہے، اور وہ لوگ جو ایمان نہیں

اٰذانھم وقرٌ وھو علیھم عمیً — لاتے اُن کے کانوں میں گرانی ہے۔ اور وہ اُن پر

اولئک ینادون من مکان — اندھا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو دور کے فاصلہ سے پکارے

بعیدٍ۔ — جاتے ہیں۔

قرآن سے دو مختلف الطبائع اشخاص پر دو متضاد اثر ہوتے ہیں۔

اللہ نزّل احسن الحدیث کتٰباً — اللہ نے سب سے اچھی بات اتاری ہے یعنی یکساں کتاب

متشابھاً تقشعرّ منہ جلود — دُہرائی جانے والی۔ اس سے ان لوگوں کے رونگٹے

الذین یخشون ربّھم ثم تلین — کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرتے

جُلودُھم و قلوبھم الی ذکر اللہ — ہیں۔ پھر اللہ کے ذکر کے لیے اُن کی کھالیں نرم ہو جاتی

ذٰلک ھُدی اللہ یھدی بہ — ہیں اور اُنکے دل بھی۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جسے چاہتا ہے

من یشاء ومن یُضلل اللہ فما — ہدایت دیتا ہے، اور جسے اللہ گم کرے اُسے کوئی

لہٗ من ھادٍ۔ — ہدایت دینے والا نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار و اشرار کو قرآن مجید سے اعراض کرتے ہوئے دیکھتے تھے تو طبعی طور پر رنج ہوتا تھا کیونکہ آپ رحمۃٌ للعالمین تھے۔ قرآن سرچشمۂ سعادت و فیض تھا۔ آپ چاہتے تھے دنیا کا کوئی فرد اُس سے سیراب ہوئے بغیر نہ رہے لیکن یہ ہو کس طرح سکتا تھا۔ مریض میں دوا کے اثر کو قبول کرنے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صلاحیت ہی نہ رہی ہو تو طبیب حاذق اور دوا کیا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو خطاب کر کے فرمایا:۔

مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ۙ ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ
اِلَّا تَذۡکِرَۃً لِّمَنۡ یَّخۡشٰی ۙ مشقت اٹھائیں، مگر ہاں یہ نصیحت اُن لوگوں کے لیے ہی جو ڈرتے ہیں۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے جو عموماً خطبوں میں بھی پڑھی جاتی ہے اُس میں ارشاد ہے:۔

القرآن حجۃ لک او علیک قرآن تیرے حق میں دلیل بن کر مفید ہو یا تجھ پر حجت ہے۔

اس سے مُراد یہ ہے کہ اگر قرآن مجید پر عمل کیا جائے، اُس کی تعلیم و ارشاد کے مطابق اتقاء و طہارت کی زندگی بسر کی جائے تو وہ یقیناً کارآمد اور مفید ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو دوسرے لوگ قرآن مجید کی حقیقی مراد کے خلاف اُس سے استنباط احکام کرینگے، اور گمراہ ہونگے، وہ الفاظ کے حقیقی مفہوم کو توڑ موڑ کر اُن کو ایسے معانی پہنائینگے جو ہرگز قرآن کی مراد نہیں ہوگی۔ ان کے برخلاف وہ لوگ ہیں جو دلوں میں خوفِ خدا رکھتے ہیں۔ روحانیات اور عالم ما بعد الموت کے منکر نہیں، زندگی کا مقصد دنیوی شہوات و لذات میں مبتلا رہنا ہی نہیں جانتے ہیں بلکہ اخلاق جمیلہ اور فضائل حمیدہ کی روشنی اپنے اندر پیدا کر کے روحانی کمالات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کی اس طلبِ صادق، اور اعمال صالحہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ اُن کے دل میں ایک ایسا نور پیدا کر دیگا جس سے عالم غیب کی حقیقتیں خود بخود برافگندہ نقاب ہو جائینگی اور مادی کثافتوں کے باعث جن غیر مرئی چیزوں پر ایمان لانا ہمارے لیے دشوار ہوتا ہے وہ خود بخود اُن کے آئینہ قلب میں اس طرح جلوہ ریز ہونگی کہ اُن سے انکار نہیں کیا جا سکیگا۔ اور اس وقت صحیح معنی میں ان کا اعتقاد بالجنان ایمان کی صورت اختیار کر سکیگا۔

فلسفۂ یونان کے طلبہ جانتے ہیں۔ علم کی تعریف میں کتنا زبردست اختلاف ہے۔ کوئی اُس کو حصول صورت کہتا ہے، کسی کے نزدیک حاضر عند المدرک کا نام علم ہے، اور کوئی قوت مدرکہ کو ہی علم بتاتا ہے۔ اور کسی کے خیال میں علم ایک معنیٰ مصدری ہے جو عالم اور معلوم کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکماء اشراقیین فرماتے ہیں "علم ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں پیدا کر دیتا ہے۔ اور وہ معلومات کے ادراک کا منشاء بنتا ہے۔ ہماری رائے میں یہی قول درست ہے اور اسلامی نقطۂ نظر بھی اس کی ہی تائید کرتا ہے۔ چنانچہ امام شافعی کے دو شعر مشہور ہیں۔

شکوتُ الیٰ وکیع سوء حفظی　　　فاوصانی الیٰ ترک المعاصی

لانّ العلمَ نورٌ من اِلٰہٖ　　　ونور اللّٰہِ لا یعطیٰ لعاصٍ

میں نے اپنے اُستاد وکیع سے اپنے بدحافظہ ہونے کی شکایت کی، تو اُنھوں نے گناہوں کے ترک کر دینے کی ہدایت فرمائی، اور کہا کہ علم خدا کا ایک نور ہے جو کسی گنہگار کو نہیں دیا جا سکتا۔

فلسفہ کے نقطۂ نظر سے غور کیجیے تب بھی یہی درست معلوم ہوتا ہے۔ فلاسفہ نے ادراک کی جو قسمیں بتائی ہیں اُن میں سب سے اعلیٰ قسم عقل بالفعل یا عقل مستفاد ہے۔ اس مرتبہ پر پہنچ کر انسان کو عقل فعال کے ساتھ جو صور معقولہ کا خزانہ ہے، غایت قرب و اتصال حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اس اتصال کی بناء پر عقل فعال کی جانب سے جن صور معقولہ کا فیضان ہوتا ہے انسانی ذہن و دماغ اُن کو آسانی کے ساتھ قبول کرنے کی صلاحیت و استعداد پیدا کر لیتا ہے۔ شیخ بوعلی بن سینا نے اس نفس کو آئینہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور بتایا ہے کہ جس طرح آئینہ اپنے مقابل کی صورت کو قبول کر لیتا ہے اور جب تک وہ اُس چیز کے مقابل رہیگا اُس کی صورت برابر اُس میں عکس فگن رہیگی۔ یہاں تک اگر آئینہ منحرف ہو جائے تو اُس انحراف کے مطابق اُس چیز کی صورت کے انعکاس میں بھی فرق پیدا ہو جائیگا۔ ٹھیک یہی حال نفس انسانی کا ہے سو جس قدر مادیت سے بعید اور روحانیت سے قریب ہوگا، اُسی قدر اُس میں عقل فعال کے ساتھ اتصال کی وجہ سے عالم غیب کے حقائق کو قبول کرنے کی صلاحیت زیادہ ہوگی اور اس کے برخلاف نفس کو مادیت میں جتنا زیادہ انہماک ہوگا اُسی قدر اُس کو عقل فعال سے بُعد زیادہ ہوتا جائیگا اور غیب کی باتیں اُس کے لیے ناقابلِ فہم ہوتی جائینگی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پس قرآن مجید کی تصریحات کے مطابق نفس انسانی ہیں یہ جلا اور نورانیت اعمال صالحہ اور اتقا و طہارت سے پیدا ہوتی ہے، اور اس کے بعد اُس میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ قرآن مجید کی روحانی تعلیمات کی حقیقی غرض و غایت کو سمجھ سکے، اور اس کے مطالب کو کما ینبغی جان سکے، اور اگر یہ نہیں ہے بلکہ اعمال فاسدہ کے حجابات اُس کے آئینۂ دماغ و قلب پر پڑے ہوتے ہیں تو اُس شخص سے صحیح فہم قرآن کی توقع عبث ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن مجید نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

لھم قلوب لا یفقھون بھا و	اُن کے پاس دل تو ہیں مگر اُن سے سمجھتے نہیں، اور
لھم اعین لا یبصرون بھا و	اُن کے پاس آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں، اور اُن کے
لھم اذان لا یسمعون بھا اولئك	پاس کان ہیں مگر سنتے نہیں۔ یہ لوگ چوپایوں کی
کالانعام بل ھم اضل اولئك	طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ۔ یہ لوگ
ھم الغفلون	غافل ہیں۔

پانچویں شرط فہم قرآن کے لیے پانچویں شرط یہ ہے کہ ایک آیت میں ایک لفظ کو دیکھ کر ہی اُس کی تفسیر و تاویل کی جرأت نہ کی جائے۔ بلکہ تمام قرآن مجید کا مطالعہ بنظر عمیق کر کے قرآن کی زبان اور اُس کے طرز ادا و طریقۂ بیان کے ساتھ ایک ایسی مناسبت پیدا کرلیجائے کہ تعین مُراد میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ اور ایک جگہ کسی لفظ کے جو معنی مراد لیے گئے ہوں وہ کسی دوسرے مقام کے منافی نہ ہوں۔

اس کی تفصیل یوں سمجھیے۔ ہر متکلم کے مخصوص طرق بیان ہوتے ہیں، اور جب تک کوئی شخص متکلم کی اس خصوصیت سے واقف نہیں ہوگا۔ وہ اُس کے کلام کی مراد واقعی طور پر نہیں سمجھ سکیگا۔ مثلاً قرآن مجید میں طہارت کے باب میں ہے۔

وان کنتم جنبا فاطھروا وان	اور اگر تم ناپاک ہو تو خوب پاک ہو جاؤ، اور اگر تم بیمار ہو یا
کنتم مرضی او علی سفر او جاء احد	مسافر ہو یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت سے فارغ ہو کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منکم من الغائط اولمستم النساء الآیۃ   آیا ہو۔ یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو۔ الآیہ

"لمستم النساء" کی مراد میں علماء مختلف ہیں۔ ایک طبقہ کہتا ہے کہ "ملامسۃ" سے مراد محض بدن کا چھونا ہے۔ اور مباشرت نہیں، اور اس کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ لمس کے معنی حقیقی چھونا ہے، اور جب تک معنی حقیقی کا مراد لینا دشوار نہ ہو معنی مجازی کی طرف رجوع کرنا درست نہیں ہے۔ علماء کا دوسرا گروہ ہے جو شد و مد سے اس سے مختلف ہے اور ملامسۃ کے معنی یہاں مباشرت مراد لیتا ہے۔ ہمارے خیال میں اس موقع پر اس بحث میں پڑنا کہ لمس کے معنی حقیقی کیا ہیں اور معنی مجازی کیا؟ اور پھر معنی مجازی اُس وقت تک مراد نہیں لیے جا سکتے جب تک کہ معنی حقیقی کے مراد لینے میں تعذر نہ ہو۔ چنداں مفید مطلب نہیں۔ بلکہ ضرورت یہ دیکھنے کی ہے کہ لمس اور اس کے ہم معنی لفظ مس لغت کے اعتبار سے کس معنی میں مستعمل ہوتے ہیں۔ یہ معلوم کرنے کے بعد یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ دونوں لفظ قرآن مجید میں کتنے مقام پر آئے ہیں اور وہاں اُن سے کیا مراد لی گئی ہے۔

اس سلسلہ میں تحقیق و تلاش سے کام لیا جائے، تو واضح ہوتا ہے کہ زن و شوئی کے تعلقات کے بیان کرنے میں قرآن مجید کا ایک خاص اسلوب ہے کہ وہ ان مواقع پر تصریح سے کام نہیں لیتا۔ بلکہ کنایۃً ان چیزوں کو بیان کرتا ہے۔ مثلاً ایام حیض میں مجامعت سے منع کرنا منظور تھا تو فرمایا گیا۔

فاعتزلوا النساء فی المحیض   عورتوں سے بحالتِ حیض الگ رہو۔

طلاق کے احکام میں ہے۔

لاجناح علیکم ان طلقتم   اگر تم عورتوں کو اُن کو چھونے سے قبل طلاق دو

النساء مالم تمسوھن   تو اُس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یہاں لفظ مس ارشاد فرمایا گیا ہے، مگر مراد مباشرت ہے۔ اسی سلسلہ میں دوسرے مقام پر ہے۔

وان طلقتموھن من قبل ان   اور اگر تم نے اُن کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دیدی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تَمَسُّوهُنَّ وقد فرضتم لهن فَرِيضَةً ہو۔ اور تم اُن کا مہر بھی مقرر کر چکے ہو تو جو تم نے مقرر کیا ہو
فنصف مَا فرضتم الا ان یعفون اُس کا آدھا دیدو مگر ہاں اُس وقت نہیں جبکہ یہ عورتیں معاف کر دیں۔
اس جگہ بھی مس فرمایا گیا ہے مگر مراد مجامعت ہے۔

پھر عدت کے بیان میں ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمنوا إذا نكحتم اے مومنو تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرنے کے بعد
المؤمنٰتِ ثُمَّ طلقتموهنَّ من اگر اُن کو چھونے سے قبل طلاق دے دو تو اُن کے
قبل ان تمسوهُنَّ فما لكم عَلَيْهِنَّ ذمہ تمہارے لیے عدت نہیں ہے۔
مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا۔

یہ آیت اس باب میں تصریح ہے کہ مس سے مُراد مباشرت ہی ہے۔ کیونکہ عدت استبراء رحم کے لیے ہوتی ہے۔ اس کے نہ ہونے کا حکم اُسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ نقدان مباشرت کے باعث استبراء کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔

ایک جگہ اسی تعلق کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

وقد افضى بعضكم الى بعضٍ جب کہ تم میں سے ایک نے اپنے تئیں دوسرے کے حوالہ کر دیا ہو

اِن آیتوں کے مطالعہ، اور اُن میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے، اُس کے طرز ادا کے معلوم کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ "لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ" میں بھی لمس سے مُراد محض چھونا نہیں ہے

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ان آیات مذکورہ میں تو مس کا لفظ متعدد بار آیا ہے۔ اس لیے یہ لمس کے معنیٰ کے لیے کس طرح حجت بن سکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ لغت میں مس کے معنی چھونا ہیں اور لمس کے معنی ٹٹولنا ہیں۔ یعنی لمس کے مفہوم میں بہ نسبت مس کے مخالطت میں شدت پائی جاتی ہے۔ پس جب مس سے مُراد مباشرت ہے تو لمس سے مراد مباشرت بطریق اولیٰ ہو سکتی ہے۔ پس اس طرح اگر قرآن مجید کے کسی لفظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی مراد کو متعین کرنے کے لیے خود قرآن مجید سے مدد لیجائے تو غالباً وہ اختلاف و تشتت نہ پیدا ہو جو عموماً تفسیروں میں نظر آتا ہے۔ اور نہ وہ گمراہی پیدا ہو جو قرآن مجید کے طرز خطاب و طریقۂ بیان سے واقفیت و مناسبت بہم پہنچائے بغیر کسی ایک آیت کی تفسیر سے پیدا ہوتی ہے۔ اور غالباً اسی بنا پر خود صاحبِ قرآن نے فرمایا ہے۔

القرآن یفسّر بعضہٗ بعضاً — قرآن مجید کا بعض خود اُس کے بعض کی تفسیر کرتا ہے۔

ایک دوسری مثال یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک آیت ہے۔

واذکروا اللّٰہ فی ایام معدودٰت — اور تم چند گنے چُنے دنوں میں اللہ کو یاد کرو، اور جس
فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ — شخص نے دو دنوں میں جلدی کی اُس پر کوئی گناہ
ومن تاخر فلا اثم علیہ لمن اتقیٰ — نہیں ہے۔ اور جس نے تاخیر کی اُس پر بھی کوئی گناہ نہیں
واتقوا اللّٰہ واعلموا انکم الیہ — ہے۔ یہ اُن کے لیے ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں۔ تم اللہ سے
تحشرون۔ — ڈرو اور جان لو کہ تم اُس کے ہی پاس جمع ہوگے۔

اس آیت میں جو لفظ ذکر آیا ہے۔ اُس سے مراد تمام ائمۂ تفسیر کے نزدیک ایام حج میں بمقام منیٰ رمی جمار کرنا ہے۔ اور "ایام معدودات" سے مراد ایام تشریق ہیں یعنی ماہ ذی الحجہ کی ۱۱، ۱۲، اور ۱۳ تاریخیں۔ اب ایک کج بحث آدمی کہہ سکتا ہے کہ لغت میں تو ذکر کے معنیٰ فقط یاد کرنا ہیں۔ آپ کس طرح ذکر سے مراد ایک مخصوص فعل عبادت (رمی جمار) لے سکتے ہیں۔ اسی طرح معدودٰت جمع قلت کا صیغہ ہے جو تین سے نو تک پر بولا جاتا ہے، اس میں چند خاص دنوں کا ذکر نہیں اگر اس پر الف لام تعریف کا داخل ہوتا تو اس کو عہد کا مراد لے کر تخصیص پیدا کرسکتے تھے۔ لیکن ایام اور معدودات دونوں نکرہ ہیں پھر ان سے کیونکر چند خاص دن مراد ہوسکتے ہیں۔ پس اگر کسی شخص نے سال کے چند غیر معین ایام میں بھی خدا کو کسی طرح یاد کرلیا ہے تو اُس نے اس آیت کا حکم پورا کردیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں بیشک لغت میں ذکر کے معنیٰ یاد کرنا ہی ہیں لیکن قرآن مجید کا یہ انداز خاص ہے کہ وہ خاص خاص عبادتوں کا نام لیتا۔ بلکہ اُن کی جو اصل روح ہے اُس کا ذکر کردیتا ہے۔ اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو اس عبادت کی اصل غرض معلوم ہو جائے، اور وہ اُس سے کسی وقت میں بھی غافل نہ ہوں۔ دیکھیے! عرفات سے واپس ہو کر مزدلفہ میں قیام کرنے کا حکم ہے۔ اس کو یوں بیان فرمایا گیا:-

فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام واذکروہ کما ھدٰکم وان کنتم من قبلہ لمن الضالین

پھر جب تم عرفات سے لوٹو تو اللہ کو مشعر الحرام کے پاس یاد کرو، اور جس طرح اللہ نے تم کو بتایا ہے۔ اس طرح یاد کرو۔ اگرچہ تم پہلے سے گمراہ تھے۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ محض زبان سے خدا کو یاد کرلینا، یا غیر شرعی اعمال کر کے ذکر اللہ کے فریضہ سے سبکدوش ہونے کی کوشش کرنا بالکل بے سود اور گمراہی ہے بلکہ ذکر وہی معتبر ہے جو خدا نے اپنے رسول برحق کے ذریعہ مخصوص طرق عبادت کے ساتھ لوگوں کو بتایا ہے۔ اسی مضمون کی طرف آیت ذیل میں توجہ دلائی گئی ہے۔

فَاِذَا اَمِنْتُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَمَا عَلَّمَکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوا تَعْلَمُوْنَ۔

جب تم مامون ہو جاؤ تو اللہ کو یاد کرو اُس طریقہ کے مطابق جو اللہ نے تم کو بتایا ہے، ایک ایسا طریقہ جو تم نہیں جانتے تھے۔

صبح و شام کی نمازوں کو بھی ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے، ارشاد ہے۔

واذکر اسم ربّک بُکرۃً وّاصیلاً

تم صبح شام اللہ کے نام کو یاد کرو۔

(باقی)

© rasailojaraid.com